اقبال، عربی اور

دنیائے عرب

ڈاکٹر خورشید رضوی

عرب قبل از اسلام کی شخصیات میں ' بادشاہ حیرہ ' جذیمتہ الابرش کی شخصیت اور اس سے وابستہ روایات تاریخی طور پر حقیقت ہوں یا نہ ہوں ' ادبی سطح پر نہایت اہم ہیں ۔ ان میں سے بعض روایات نے تلمیحی صورت اختیار کر کے بعد کے زمانوں میں نہ صرف عربی ادب پر بلکہ اس کی وساطت سے دیگر مشرقی زبانوں کے ادب پر بھی گہرے نقوش چھوڑے ۔ کہا جاتا ہے کہ جذیمہ کے غرور شاہی کا یہ عالم تھا کہ وہ روئے زمین پر کسی کو اس قابل نہیں سمجھتا تھا کہ شغل شراب میں اس کا ہم نشیں بن سکے۔ جب شراب پینے بیٹھتا تو آسمان کے دو ستاروں "فرقدین" کے نام کا ایک ایک جام زمین پر لنڈھا دیتا کہ وہی میرے ہم پیالہ ہیں (۱)۔شاید عربوں کے اجتماعی لاشعور میں بسی ہوئی اسی روایت کا اثر تھا کہ شاعر نے کہا (۲)

؎ شربنا و اهرقنا علی الارض جرعة
و للارض من کاس الکرام نصیب

(ہم نے شراب پی تو ایک جرعہ زمین پر بہا دیا کہ شرفاء کے جام میں زمین کا بھی حصہ ہوتا ہے)

عربوں کے اس تصور نے رفتہ رفتہ فارسی ادب میں راہ پائی اور حافظ شیرازی (۳) کے مشہور شعر میں یوں ظہور کیا ۔

اگر شراب خوری جرعہ ای فشاں بر خاک
ازاں گناہ کہ نفعی رسد بہ غیر چہ باک (۴)

(اگر تو شراب پیے تو ایک جرعہ خاک پر بھی ڈال دے۔ اس گناہ سے کیا گھبرانا جس میں کسی کا بھلا ہوتا ہو)

غالب پیچیدہ بیاں نے بہادر شاہ ظفر کے مدحیہ قصیدے میں اپنی خاکساری کا اظہار کرنے کے لیے اسی تصور سے یوں کام لیا ؎

رشحہ بر من بچکاں ' بادۂ گلرنگ بنوش
جرعہ بر خاک فشاندن روش اہل صفاست (۵)

(ایک چھینٹا مجھ پر دے اور شراب گلفام پی کہ خاک پر جرعہ ڈالنا اہل صفا کا طریقہ چلا آتا ہے)

اقبال نے عشق سے مٹی کی تصویروں میں سوز دمبدم (۶) کا اظہار کرنے کے لیے اس تلمیح سے یوں کام لیا ؎

عشق کی مستی سے ہے پیکر گل تابناک
عشق ہے صہبائے خام ' عشق ہے کاس الکرام (۷)

فارسی ادب میں "کاس الکرام" کی ترکیب مستعمل رہی لیکن کم کم' اور اردو میں تو یہ قریب قریب ناپید رہی تا آنکہ اسے اقبال نے برتا اور تلمیح کو اس کی اصل کی طرف لوٹا دیا۔ اسے اقبال کے ہاں' عجمیت کے اثرات سے آزاد ہو کر عرب کی سادہ و پرسوز فضاؤں کی طرف پلٹ جانے کی اس شدید آرزو کا اظہار بھی سمجھا جا سکتا ہے جو اقبال کے مزاج میں کلیدی حیثیت رکھتی ہے۔ "در حقیقت شعر و اصلاح ادبیات اسلامیہ" کے زیر عنوان "اسرار خودی" میں انہوں نے ادب کو جو دستور العمل عطا کیا ہے' وہ ان کی اسی شدید آرزو کا نمائندہ ہے ؎

رجعتی سوی عرب می بایدت
(تجھے عرب کی طرف مراجعت کرنی چاہیے۔) (۸)

اقبال کا خیال تھا کہ ۔

تاثیر غلامی سے خودی جس کی ہوئی نرم
اچھی نہیں اس قوم کے حق میں عجمی لے (۹)

انہوں نے اپنی لے کو حجازی اور اپنی شراب کو عربی قرار دیا ہے ۔

عجمی خم ہے تو کیا، مے تو حجازی ہے مری
نغمہ ہندی ہے تو کیا، لے تو حجازی ہے مری (۱۰)

بادہ گردان عجم وہ، عربی میری شراب
میرے ساغر سے جھجکتے ہیں مے آشام ابھی (۱۱)

اقبال نے بطور طالب علم عربی زبان کا درس لیا اور بطور استاد اس کی تدریس بھی کی ۔ قدیم عرب شعراء کی واقعیت، راست نگاری اور جذبہ حریت و شجاعت ان کی روح کے بہت قریب تھا ۔ وفات سے چند ماہ قبل مولانا ابوالحسن علی ندوی سے ملاقات کے دوران انہوں نے ابوالغول الطہوی کے ان شعروں پر پسندیدگی کا اظہار کیا (۱۲) ۔

فدت نفسی و ما ملکت یمینی
فوارس صدقت فیھم ظنونی
فوارس لا یملون المنایا
اذا دارت رحی الحرب الزبون (۱۳)

(میری جان اور مال سب کچھ فدا ہو ان شہسواروں پر جنھوں نے اپنے بارے میں میرے اندازوں کو سچ کر دکھایا۔ وہ شہسوار کہ جب شدید جنگ کی چکی گردش میں آتی ہے تو وہ موتوں سے اکتاتے نہیں۔)

اقبال کی شاعری پر قرآن مجید، احادیث طیبہ اور عربی ادب کے شہ پاروں کا اثر جابجا نمایاں ہے۔ مجھے اس موقع پر ۱۹۶۷ء کی ایک شام کا وہ مکالمہ یاد آتا ہے جو اسی حوالے سے میرے اور عزیزم حسین احمد پراچہ کے مابین ہوا ۔ وہ اس زمانے میں گورنمنٹ کالج سرگودھا میں عربی کے طالب علم تھے۔ اس مکالے میں ہم نے قرآن مجید کی بعض تمثالوں اور عربی کے کچھ ادب پاروں کی روشنی میں کلام اقبال کا سرسری سا جائزہ لیا تھا (۱۴)۔ مثال کے طور پر دیوان الحماسہ میں شامل سیموئل بن عادیاء کا یہ شعر جو

اس نے اپنے علاقے کے ایک پہاڑ کے بارے میں کہا ہے ۔

رسا اصلہ تحت الثری و سماہ
الی النجم فرع لا ینال طویل (۱۵)

(اس کی جڑ تحت الثریٰ میں دھنسی ہوئی ہے اور اس کی طویل' ناقابل رسائی چوٹی "النجم" تک بلند ہے)

واضح رہے کہ لفظ "نجم" یوں تو ستاروں کے لیے ہے لیکن "ال" سے معرف ہو کر یہ خاص ثریا کے لیے اسم علم کی حیثیت بھی رکھتا ہے (۱۶)۔ تو گویا سموئل کے شعر کا مفہوم یہ ہوا کہ یہ پہاڑ جس پر ہمارے قبیلے کو فخر ہے' ایک طرف مضبوطی سے پاتال میں قدم جمائے کھڑا ہے اور دوسری طرف اس کی چوٹی ہمدوش ثریا ہے ۔ اس تناظر میں جب ہم اقبال کا یہ شعر پڑھتے ہیں جو انہوں نے اپنے وطن کے پربت ہمالہ کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا ہے تو خیال اور تمثال کی مماثلت پر چونکے بغیر نہیں رہ سکتے ۔

چوٹیاں تیری ثریا سے ہیں سرگرم سخن
تو زمیں پر' اور پہنائے فلک تیرا وطن (۱۷)

عربی میں "ابو" بمعنی باپ "ام" بمعنی "ماں" "ابن" بمعنی بیٹا "بنت" بمعنی بیٹی اور "اخو" بمعنی بھائی کے الفاظ صرف حقیقی معنوں ہی میں استعمال نہیں ہوتے بلکہ تعلق یا نسبت کی کسی بھی خاص جہت کو ظاہر کرنے کے لیے ـــــــ جو بسا اوقات بہت لطیف ہوتی ہے ـــــــ بھی برتے جاتے ہیں ۔ مثلاً قرآن پاک میں مسافر کے لیے "ابن السبیل" (۱۸) "راستے کا بیٹا" کتاب کی اصل و بنیاد کے لیے "ام الکتاب" (۱۹) کتاب کی ماں اور مرکزی بستی یعنی مکہ مکرمہ کے لیے "ام القریٰ" (۲۰) یعنی بستیوں کی ماں کے الفاظ آئے ہیں ۔ مسافر کو "اخوالسفر" سفر کا بھائی بھی کہا جاتا ہے ۔ عمر بن ابی ربیعہ کا مشہور شعر ہے ۔

اخا سفر جواب ارض تقاذفت
بہ فلوات فھو اشعث اغبر (۲۱)

کنکری کو "بنت الارض" زمین کی بیٹی اور شراب کو "بنت العنقود" "خوشہ (انگور) کی بیٹی" (دخت رز) کہتے ہیں ۔ اسی طرز پر آفات زمانہ کو "بنات الدہر" زمانے کی بیٹیاں کہا جاتا ہے ۔ اب

دیکھیے اقبال نے کس خوبی سے عربی کے اس اسلوب بیان کو فارسی میں ڈھال کر استعمال کیا ہے ۔

زلزلے ہیں، بجلیاں ہیں، قحط ہیں، آلام ہیں
کیسی کیسی دخترانِ مادرِ ایام ہیں (۲۲)

لفظ "رحیق" عربی میں شراب ناب کے لیے آتا ہے ۔ قرآن مجید میں اہل جنت کو حاصل ہونے والی نعمتوں کے ضمن میں فرمایا گیا ہے :

یسقون من رحیق مختوم ○ ختمہ مسک ط (۲۳)

(انھیں سربمہر شراب ناب پلائی جائے گی جس پر مہر مشک کی ہوگی)

امرؤ القیس کے معلقے میں ایک خاص قسم کے تیز زبان پرندوں یعنی "مکاکی" کی بھرپور چہکار کو یوں بیان کیا گیا ہے ۔

کان مکاکی الجواء غدیۃ
صبحن سلافا من رحیق مفلفل

(صبح سویرے وادی جواء کے یہ (چہکتے ہوئے) مکاکی یوں لگتے ہیں جیسے انھیں پکیدہ انگور ، شراب ناب کی صبوحی پلائی گئی ہے جس میں (تیزی بڑھانے کے لیے) فلفل سیاہ کی آمیزش کی گئی ہے)

تاہم عربی زبان کا یہ بھرپور لفظ "رحیق" غالباً اپنی ٹھیٹھ عربیت کے باعث اردو شاعری ہی میں راہ پا سکا ہے ۔ شاید اس لیے بھی کہ اس لفظ کی شوکت کو اردو کی نزاکت سے ہم آہنگ کرنا اسی فنکار کا کام ہے جس کے ہاتھ میں لوہا موم ہوتا ہو ۔ یاد نہیں آتا کہ شعرائے اردو کے معروف و متداول کلام میں کسی کے ہاں یہ لفظ سننے میں آیا ہو ۔ لیکن دیکھیے اقبال نے اس شراب ناب کی تیزی کو کس خوبی سے تلوار کی دھار عطا کی ہے ۔

ساقی اربابِ ذوق ، فارسِ میدانِ شوق
بادہ ہے اس کا رحیق ، تیغ ہے اس کی اصیل (۲۴)

جس طرح Keats اپنے وجود معنوی میں یونان قدیم کا باشندہ تھا اسی طرح اقبال کا باطنی تعلق عرب تہذیب سے تھا ۔ سرزمین حجاز اقبال کا جزیرہ خواب تھی جہاں آسودہ خاک ہونا ان کی عمر بھر کی آرزو تھی ۔ جدہ میں شفاخانہ حجاز کھلنے کی خبر پر ان کا تبصرہ یہ تھا ۔

اوروں کو دیں حضور یہ پیغام زندگی
میں موت ڈھونڈتا ہوں زمین حجاز میں (۲۵)

اور "رموز بے خودی" کے آخر میں "عرض حال مصنف بحضور رحمتہ للعالمین" کے زیر عنوان بارگاہ رسالت میں، جھجکتے جھجکتے اپنی اس دیرینہ آرزو کا ذکر یوں کرتے ہیں ؎

زندگی را از عمل ساماں نبود
پس مرا ایں آرزو شایاں نبود
شرم از اظہار او آید مرا
شفقت تو جرات افزاید مرا
ہست شان رحمتت گیتی نواز
آرزو دارم کہ میرم در حجاز (۲۶)

(چونکہ میری زندگی میں عمل کی متاع موجود نہ تھی اس لیے یہ آرزو میرے حسب حال نہ تھی۔ مجھے اس کا اظہار کرتے ہوئے شرم محسوس ہوتی ہے تاہم آپ کی شفقت ہمت بندھاتی ہے۔ آپ کی شان رحمت کل عالم کو نوازنے والی ہے، میری آرزو یہ ہے کہ مجھے سرزمین حجاز میں موت آئے۔

ڈاکٹر طہ حسین نے اپنے مضمون " **محمد اقبال - الشاعر الذی فرض نفسہ علی الدنیا وعلی الزمان**" (محمد اقبال ــــــ وہ شاعر جس نے دنیا اور وقت پر اپنا نقش ثبت کر دیا)۔ میں اقبال کا موازنہ ابوالعلاء المعری سے کرتے ہوئے لکھا ہے :

"ان میں سے ایک ــــــ یعنی ابوالعلاء ــــــ اپنے ایام حیات میں ہندوستان کی طرف نظر جمائے رہا، وہیں سے اخذ کرتا اور اثر قبول کرتا رہا یہاں تک کہ اپنی زندگی میں تارک الدنیا برہمنوں کی سی روش اختیار کر لی۔

اور دوسرا یعنی اقبال - عربوں کی طرف دیکھتا تھا، انہی کے گن گاتا تھا، انہی کی مداحی کرتا تھا اور انہی کو اس انسانیت کا مثالی نمونہ تصور کرتا تھا جو وجود، حیات اور بقا کا حق رکھتی تھی"۔ (۲۷)

لیکن افسوس کہ سلمائے عرب کا یہ دلدادہ دنیائے عرب کے لیے مدتوں اجنبی رہا۔ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کے الفاظ میں :

"عربوں سے علامہ اقبال کا اولین براہ راست رابطہ ۱۹۳۱ء میں ہوا۔ دوسری گول میز کانفرنس (لندن) میں شرکت کے بعد' علامہ اٹلی سے ہوتے ہوئے یکم دسمبر کو اسکندریہ پہنچے۔ مصر میں پانچ روزہ قیام کے دوران میں انہوں نے بعض تاریخی مقامات دیکھے' متعدد استقبالیہ جلسوں میں شرکت کی اور زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے عرب اکابر سے ملاقاتیں ہوئیں اور تبادلہ خیال کا موقع ملا۔ عرب اہل علم' صحافی و دانشور اور سیاست دان پہلی بار براہ راست شاعر مشرق کے خیالات سے متعارف ہوئے۔ یہ واقعہ مصر (اور عرب ممالک) میں اقبال شناسی کا نقطہ آغاز تھا"۔ (۲۸)

قاہرہ کے اسی قیام کے دوران ڈاکٹر عبدالوہاب عزام کی ملاقات پہلی بار علامہ اقبال سے ہوئی جن کو دنیائے عرب میں "بابائے اقبالیات" کی حیثیت حاصل ہے۔ اس ملاقات کا حال خود انہی کی زبانی سنئے:

"و مر اقبال بالقاهرة فی طریقه الی الموتمر الاسلامی ببیت المقدس۔ فاحتفلت به جمعیة الشبان المسلمین و حضرت الحفلة فکلفنی استاذی الشیخ عبدالوهاب النجار رحمه الله ان اعرف الحاضرین بالضیف الکریم۔ فتکلمت و انشدت ابیاتا من شعر اقبال' احسبها اول ما سمع من شعره فی بلاد العرب۔ و مما انشدت .... " (۲۹)

"موتمر اسلامی میں شرکت کے لیے بیت المقدس جاتے ہوئے اقبال قاہرہ سے گزرے۔ جمعیت الشبان المسلمین نے ان کے اعزاز میں اجلاس کا اہتمام کیا (۳۰)۔ میں اجلاس میں شریک ہوا اور میرے استاد شیخ عبدالوہاب النجار' رحمہ اللہ' نے حاضرین سے مہمان مکرم کا تعارف کرانے کی ذمہ داری مجھ پر ڈالی۔ چنانچہ میں نے گفتگو کی اور اقبال کے چند شعر پڑھے۔ میرا خیال ہے' کلام اقبال میں سے یہ پہلی چیز تھی جو بلاد عرب میں سنی گئی۔ میں نے جو کچھ پڑھا' اس میں یہ اشعار شامل تھے۔

اے کہ در مدرسہ جوئی ادب و دانش و ذوق
نخرد بادہ کس از کارگہ شیشہ گراں
خرد افزود مرا درس حکیمان فرنگ
سینہ افروخت مرا صحبت صاحب نظراں
برکش آں نغمہ کہ سرمایۂ آب و گل تست
اے ز خود رفتہ تہی شو ز نوائے دگراں (۳۱)

ڈاکٹر عبدالوہاب عزام کافی عرصہ پاکستان میں مصر کے سفیر کی حیثیت سے مقیم رہے۔ ادب کا اچھا ذوق رکھتے تھے۔ خود شاعر تھے۔ فارسی و ترکی سے اچھی واقفیت تھی۔ اقبال کے عاشق تھے۔ انہوں نے "محمد اقبال ' سیرتہ ' فلسفتہ ' و شعر ○ " کے عنوان سے ایک کتاب علامہ کے احوال ' افکار اور شاعری پر لکھی (۳۲) نیز اسرار خودی ' رموز بے خودی ' پیام مشرق اور ضرب کلیم کا عربی میں منظوم ترجمہ کیا۔ جاوید نامہ کے کچھ حصوں اور بانگ درا کی چند نظموں کا ترجمہ بھی ان کے قلم سے یادگار ہے۔ وہ اپنے اس ارادے سے علامہ مرحوم کو ان کی زندگی میں آگاہ کر چکے تھے کہ وہ ان کے کلام کو عربی میں ڈھالنا چاہتے ہیں چنانچہ ۲۲ نومبر ۱۹۳۷ء کو مولانا ابوالحسن علی ندوی نے علامہ سے آخری ملاقات کے دوران جب ان کے کلام کا عربی ترجمہ کرنے کی اجازت لی تو علامہ نے عبدالوہاب عزام کے اس عزم کا بھی ذکر فرمایا۔ (۳۳)

عبدالوہاب عزام نے اقبالیات کے سلسلے کے بعض مضامین بھی لکھے ' تقاریر بھی کیں اور علامہ کو منظوم خراج عقیدت بھی پیش کیا۔ ۱۹۴۷ء میں قیام پاکستان سے چار ماہ قبل عزام ہندوستان آئے اور مزار اقبال پر حاضری دینے کے لیے دہلی سے لاہور کا سفر اختیار کیا۔ اس موقع پر انہوں نے دہلی میں چار شعر نظم کیے اور سنگ مرمر کی لوح پر کندہ کرا کے لاہور لائے۔ ان کی خواہش تھی کہ یہ لوح مزار اقبال کی عمارت میں جگہ پائے۔ ان کو یقین دہانی بھی کرائی گئی کہ تکمیل عمارت کے بعد اسے دیوار میں نصب کرا دیا جائے گا۔ معلوم نہیں پھر اس کا کیا ہوا۔ اشعار یہ تھے۔

عرای بهدی لروضک زهرا
ذا فخار بروضه و اعتزاز

كلمات تضمنت كل معنى
من ديار الاسلام في ايجاز
بلسان القرآن خطت ففيها
نفحات التنزيل و الا عجاز
فا قبلنها على ضآلة قدري
فهي في الحق "ارمغان الحجاز" (۳۴)

(ایک عرب تیرے باغ کے لیے کچھ پھول لایا ہے جنھیں اپنے باغ پر بڑا فخر و ناز ہے (یعنی) چند الفاظ، جو دیار اسلام کے تمام مفاہیم اختصار کے ساتھ اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہیں۔ یہ قرآن کی زبان میں لکھے گئے ہیں لہٰذا ان میں خوشبوئے تنزیل و اعجاز کی لپٹیں موجود ہیں۔ میری کم مائیگی کے باوصف انھیں ضرور قبول کر کہ یہ سچ مچ "ارمغان حجاز" ہیں۔)

ڈاکٹر عزام نے علامہ کے فارسی کلام کا عربی میں منظوم ترجمہ بڑی کاوش سے کیا ہے۔ ان کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ حتی الوسع اصل شعر کے الفاظ و معانی کے قریب رہیں، اور اگر ممکن ہو تو بحر بھی وہی رکھیں۔ چنانچہ اسرار خودی اور رموز بے خودی دونوں کا عربی ترجمہ بحر رمل ہی میں کیا گیا ہے جو اصل مثنویوں کی بحر ہے۔ اسرار خودی کے ابتدائی تین شعر اور ان کا ترجمہ دیکھیے ؎

راہ شب چوں مہر عالمتاب زد
گریۂ من بر رخ گل آب زد
اشک من از چشم نرگس خواب شست
سبزہ از ہنگامہ ام بیدار رست
باغباں زور کلامم آزمود
مصرعی کارید و شمشیری درود (۳۵)

عربی ترجمہ:

قطع الصبح على الليل السفرہ
فهمى دمعى على خد الزهرہ

غسل الدمع سبات النرجس
و صحا العشب بمسری نفسی
جرب الزارع قولی محصدا
مصرعا القی وسیفا حصدا (۳۶)

پیام مشرق کے مشہور شہ پارے "محاورہ مابین خدا و انسان" کے ترجمے پر بھی ایک نظر ڈالتے چلیں:

خدا

جہاں را زیک آب و گل آفریدم
تو ایران و تاتار و زنگ آفریدی
من از خاک پولاد ناب آفریدم
تو شمشیر و تیر و تفنگ آفریدی
تبر آفریدی نہال چمن را
قفس ساختی طائر نغمہ زن را

عربی ترجمہ:

خلقت الأنام بطین و ماء
خلقت تتارًا و زنجًا و فرسا
خلقت من الترب هذا الحدید
و سهمًا خلقت و سیفا و ترسا
و فاسا خلقت لجذع و غصن
وسجنًا صنعت لطیر مغن

انسان

تو شب آفریدی ، چراغ آفریدم
سفال آفریدی ، ایاغ آفریدم

بیابان و کہسار و راغ آفریدی
خیابان و گلزار و باغ آفریدم
من آنم کہ از سنگ آئینہ سازم
من آنم کہ از زہر نوشینہ سازم

عربی ترجمہ :

خلقت الظلام فصغت السراج
وطیناً خلقت فصغت الکئوسا
خلقت جبالاً و بیداً و مرجاً
خلقت حدائقها و الغروسا
انا من حجار صنعت مرایا
انا من سموم صنعت دوایا (۳۷)

غور فرمایئے یہاں بھی ڈاکٹر عزام نے عربی میں اسی بحر یعنی متقارب کا انتخاب کیا ہے جو اصل ادب پارے کی بحر تھی ۔ تاہم ساری کاوش کے باوجود "بیابان و کہسار و راغ" کے مقابلے میں "خیابان و گلزار و باغ" کا زور ترجمے میں کیونکر پیدا ہو سکتا تھا' چنانچہ عرب قارئین کو شکایت رہی کہ اقبال کے عربی تراجم میں تاثیر کی کمی ہے اور اقبال کی جو شہرت سننے میں آتی ہے' ان ترجموں سے اس کا نقش دلوں پر نہیں بیٹھتا ۔ عربی کے مشہور ادیب شیخ علی طنطاوی نے اس ضمن میں ایک کھلا خط مولانا ابوالحسن علی ندوی کے نام دمشق کے رسالہ "المسلمون" (جلد ۶' شمارہ ۳) میں شائع کرایا جس میں ان سے درخواست کی گئی تھی کہ وہ دنیائے عرب کو اقبال کے صحیح ذائقے سے روشناس کرانے کے لیے کچھ لکھیں (۳۸)۔ اس خط کے لہجے میں اس قدر خلوص اور گداز تھا کہ مولانا کے دل پر گہرا اثر ہوا چنانچہ انہوں نے اپنے قلم کو ـــــ جو عربی اسلوب نگارش میں بلا مبالغہ "معجز رقم" ہے ـــــ حرکت دی اور پے بہ پے کئی مضامین لکھ ڈالے ۔ انہوں نے ترجمانی کے لیے کلام اقبال کے ان حصوں کا انتخاب کیا جن کا ترجمہ ڈاکٹر عزام نے نہیں کیا تھا ۔ ان عربی مضامین نے بالآخر "روائع اقبال" کی صورت پکڑی جو ذخیرہ اقبالیات میں ایک گراں قدر اضافہ ہے اور جس نے دنیائے عرب میں اقبال کا بھرپور تعارف بڑی کامیابی سے کرایا ۔ مولانا ندوی کی عربی نثر کی لذت شعر سے کم نہیں ۔ یہ کتاب

عرب نوجوانوں کی پسندیدہ کتاب ٹھہری۔ اس کے صفحوں کے صفحے زبانی یاد کیے گئے اور جابجا اس کے اقتباسات تحریر و تقریر میں لائے جانے لگے۔ اس کتاب میں اقبال کی شخصیت اور ان کے اہم نظریات کی توضیح بھی تھی اور ان کی نمائندہ نظموں کی دل نشیں ترجمانی بھی' مثلاً ذوق و شوق' مسجد قرطبہ' ساقی نامہ اور جاوید نامہ کے بعض حصے۔ اردو میں اس کا ترجمہ "نقوش اقبال" اور انگریزی میں "Glory of Iqbal" کے عنوان سے ہو چکا ہے۔

دنیائے عرب میں تعارف اقبال کے سلسلے کی ایک اور فعال شخصیت پروفیسر محمد حسن الاعظمی کی ہے۔ اعظمی صاحب کا تعلق اعظم گڑھ سے تھا۔ ہندوستان میں تعلیم مکمل کرنے کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لیے "الازہر" گئے اور پھر وہیں کے ہو رہے۔ علمی حلقوں میں اعتبار پیدا کیا اور قاہرہ یونیورسٹی میں پروفیسر ہو گئے۔

اعظمی صاحب ایک پر جوش پاکستانی' اقبالی اور اتحاد بین المسلمین کے پرزور داعی تھے۔ مختلف علمی و ادبی تصانیف کے علاوہ انھوں نے مصر میں "الاخوۃ الاسلامیہ" کے نام سے ایک تنظیم قائم کی جو بعد میں "اتحاد العالم الاسلامی" کے نام سے رجسٹر ہوئی۔ اعظمی صاحب اس کے بانی سیکرٹری جنرل تھے اور ڈاکٹر عبدالوہاب عزام صدر۔ اس تنظیم کے پلیٹ فارم سے پیغام اقبال کو عرب دنیا میں پھیلانے کے لیے گراں قدر خدمات انجام دی گئیں۔ اعظمی صاحب کو عربی زبان پر خوب دسترس حاصل تھی۔ وہ کلام اقبال کا عربی نثر میں ترجمہ کر کے جامعہ الازہر کے ممتاز نابینا عالم اور قادر الکلام شاعر' استاد الصاوی علی شعلان کو سناتے تھے۔ صاوی شعلان پہلے ان مضامین شعری کو اپنی روح میں جذب کرتے اور پھر ترجمے کو اصل سے قریب رکھنے کی کوشش کیے بغیر' آزادانہ انہیں یوں نظم کرتے گویا ان احساسات کا القاء خود ان پر ہوا ہے۔ آزاد ترجمانی کی یہ صورت نہایت موثر ثابت ہوئی۔

صاوی شعلان کے کلام میں بھی جان تھی' اور پھر خوبی قسمت سے ان کے ترجمہ شکوہ و جواب شکوہ پر مطربہ مشرق ام کلثوم کی نگاہ انتخاب پڑ گئی۔ اس نے ۲۸ اشعار چن کر ۴ مئی ۱۹۶۷ء کے ایک جشن موسیقی میں گائے اور اس کے دس ہزار ریکارڈ تیار کیے گئے۔ یہ ریکارڈ "حدیث الروح" کے نام سے عرب عوام میں بہت ہر دلعزیز ہوا۔ یہ نام جواب شکوہ کے پہلے مصرع "دل سے جو بات نکلتی ہے' اثر رکھتی ہے" (۳۹) کے عربی ترجمے

حدیث الروح للارواح یسری
و تدرکہ القلوب بلا عناء (۴۰)

سے ماخوذ ہے۔ سچ یہ ہے کہ ام کلثوم کی زریں آواز کے وسیلے سے اقبال کا نام اور پیغام جس طرح عرب عوام تک پہنچا کسی اور ذریعے سے پہنچانا ممکن نہ تھا۔ "حدیث الروح" کے حوالے سے عرب عوام، اقبال کو ایک عرب شاعر ہی تصور کرنے لگے۔ حکومت پاکستان نے سیدہ ام کلثوم کو تمغہ امتیاز عطا کیا اور استاد صاوی شعلان کو ایک سال کی دعوت پر پاکستان بلایا گیا تاکہ وہ یکسوئی سے کلام اقبال کے ترجمے کا کام جاری رکھ سکیں۔ "حدیث الروح" کے علاوہ صاوی شعلان کا زیادہ مشہور ترجمہ "النشید الاسلامی" ہے جو "ترانہ ملی" کی تعریب ہے۔

چین و عرب ہمارا، ہندوستاں ہمارا
مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا (۴۱)

عربی ترجمہ:

الصین لنا والعرب لنا
والھند لنا والکل لنا
اضحی الاسلام لنا دینا"
وجمیع الکون لنا وطنا (۴۲)

اس نشید کو "اتحاد العالم الاسلامی" نے اپنا خصوصی ترانہ قرار دیا اور دمشق ریڈیو نے بہت خوبصورت دھن پر اس کا ریکارڈ تیار کیا۔

محمد حسن الاعظمی صاحب کے علاوہ صاوی شعلان کو عربی نثر میں کلام اقبال کا مفہوم سمجھانے کی کچھ خدمت غالباً جناب عبدالباری انجم نے بھی انجام دی جو اعظمی صاحب کی طرح مصر میں طویل عرصہ مقیم رہے اور عربی زبان پر خوب قادر تھے۔ حکومت پاکستان کی دعوت پر اکتوبر ۱۹۶۸ء میں شیخ صاوی شعلان کی پاکستان آمد اور اسلام آباد کے قیام کے دوران اس خدمت کا اعزاز محمود احمد غازی صاحب (۴۳) کو حاصل ہوا۔ ادارہ تحقیقات اسلامی کی جانب سے غازی صاحب کو صاوی شعلان کے ساتھ مکمل تعاون کے لیے ادارے سے باقاعدہ طور پر منسلک کر لیا گیا اور انھوں نے روز و شب یہ خدمت مسلسل انجام دی۔ ہر روز فجر کے بعد سے اذان عشاء تک یہ دونوں حضرات ترجمہ اقبال کی اس مہم میں لگے

رہتے۔ صاوی شعلان ' فارسی کی شد بد رکھتے تھے لیکن اردو سے ناواقف تھے۔ محمود غازی صاحب اقبال کی نظموں کا جو مفہوم عربی میں بیان کرتے ' صاوی شعلان بریل مشین کی مدد سے اسے محفوظ کر لیتے۔ پھر نماز فجر سے پہلے وہ فکر شعر میں مصروف ہوتے اور اقبال کے نالہ ہائے سحر گاہی کو خوبصورت عربی اشعار میں ڈھال کر انہیں بھی بریل پر ٹائپ کر لیتے اور اگلے روز غازی صاحب کو املاء کرا دیتے۔ گاہے گاہے غالب اور اکبرالہ آبادی کے اشعار کا ترجمہ بھی کر لیا جاتا (۴۴)۔ ان کوششوں کے نتیجے میں ۱۹۷۴ء میں ادارہ تحقیقات اسلامی ' اسلام آباد کی جانب سے "مختارات من شعر اقبال" کے عنوان سے ایک مختصر سا پمفلٹ شائع کیا گیا جس میں علامہ کی تین نظموں ـــــ "لینن خدا کے حضور میں" ـــــ "فاطمہ بنت عبداللہ" اور "حضور رسالت مآب میں" کا منظوم عربی ترجمہ از صاوی شعلان شامل تھا۔ ۱۹۷۷ء میں "اللجنۃ الباکستانیۃ المصریۃ" کے زیر اہتمام علامہ کے صد سالہ جشن ولادت کی مناسبت سے "ایوان اقبال" کے عنوان سے محمود غازی صاحب کی نثری توضیحات اور صاوی شعلان کے منظوم تراجم کا ۲۶۰ صفحات پر مشتمل ایک مجموعہ شائع کیا گیا لیکن اس کی طباعت کا معیار اچھا نہ تھا اور عجلت میں مترجمین میں غازی صاحب کا نام بھی چھپنے سے رہ گیا۔ ان تراجم میں سے مثنوی "پس چہ باید کرد اے اقوام شرق" کا ترجمہ نظم و نثر خوبصورت گٹ اپ میں "یا امم الشرق" کے زیر عنوان دمشق سے ۱۹۸۸ء میں شائع ہو گیا ہے (۴۵)۔

صاوی شعلان کے منظوم تراجم کے پہلو بہ پہلو یمن کے انقلابی شاعر اور لیڈر محمد محمود الزبیری کی کاوشوں کا ذکر بھی لازم ہے۔ عمر بہاء الدین الامیری کے بقول زبیری کے ذاتی احساسات اقبال سے اتنے ہم آہنگ ہیں کہ بسا اوقات اس کے اپنے اشعار اور اس کے کیے ہوئے تراجم اقبال میں تمیز کرنا دشوار ہو جاتا ہے کیونکہ بقول امیری ' دونوں کا صدور " قلبین توامین" "دو جڑواں دلوں" سے ہوا ہے (۴۶)۔

۱۹۴۸ء سے ۱۹۵۲ء تک کے لگ بھگ زبیری کا قیام سیاسی پناہ گزین کی حیثیت سے پاکستان میں رہا۔ غالباً ڈاکٹر عبدالوہاب عزام کی ہاں "قلندران اقبال" کی ہفتہ وار محفلوں میں اس کی گاہ گاہ کی شرکت اسے کلام اقبال کے قریب تر لے آئی جو پہلے ہی اس کے دل کے بہت قریب تھا۔ زبیری کو خود شاعر ہونے کی حیثیت سے اس حقیقت کا گہرا شعور حاصل تھا کہ

بندش الفاظ ، جڑنے سے نگوں کے کم نہیں
شاعری بھی کام ہے آتش مرصع ساز کا

چنانچہ اس کا کہنا ہے :

"ولاريب انه ليس من اليسير ان يترجم الشعر الى نثر، فكيف به ان يترجم الى شعر، وكيف بهذا الشعر اذا كان اجنبيا" على لغة الشاعر انها لمعضلة كنت اشعر معها وانا اترجم بعض المعاني ترجمة حرفية بانني اظلم اقبالاً، وانتزع روح شعره من جثمانها، ثم ارغمها على ان تسكن جثماناً آخر. وهيهات۔

ان سر التركيب الشعري لا يستعصي على الترجمة من لغة الى اخرى فحسب، بل انه يستعصي حتى على نقل معناه باللغة ذاتها الى تركيب آخر ۔ واعجب من ذلك انه يتمرد حتى على الشرح والتفسير ۔ فمن يشرح البيت الشعري الرائع او ينثره الى لغة ذاتها، لا يستطيع ان ينقل عناصر الاحساس الكامنة في تركيب ذلك البيت الى الجملة المنثورة او المفسرة، فكيف به يستطيع ان يترجمه الى لغة اخرى" ۔ (۴۷)

"لاریب، شعر کا نثر میں ترجمہ کرنا بھی آسان نہیں کجا یہ کہ اس کا ترجمہ شعر ہی میں کیا جائے، خصوصاً جبکہ وہ شعر (ترجمہ کرنے والے) شاعر کی اپنی زبان میں بھی نہ ہو ۔ جب میں بعض مضامین شعر کالفظی ترجمہ کر رہا ہوتا تھا تو مجھے اس پیچیدگی کا برابر احساس رہتا تھا کہ میں اقبال پر ظلم کر رہا ہوں ۔ اس کے شعر کی روح کو قالب سے نکال کر اس بات پر مجبور کر رہا ہوں کہ وہ ایک اور قالب میں اپنی جگہ بنائے ۔ بھلا کیونکر ؟

شعری تار و پود وہ راز ہے کہ ایک زبان سے دوسری میں ڈھلتے ہوئے ہی نہیں بلکہ خود اسی زبان کی ذرا مختلف ترکیب میں اسی مفہوم کے منتقل ہوتے ہوئے بھی ہاتھوں سے نکلا جاتا ہے ۔ اور بھی عجیب یہ کہ وہ تشریح و توضیح کے قابو میں بھی نہیں آتا ۔ کسی اعلیٰ شعر کی تشریح کرنے والا جب اسی زبان میں اس کی نثر بناتا ہے تو بھی اس کے لیے ممکن نہیں ہوتا کہ اس شعر کے تار و پود میں احساس کے مخفی عناصر کو نثری یا تشریحی جملے میں منتقل کر سکے تو بھلا وہ اسے کسی دوسری زبان میں کیونکر منتقل کر سکتا ہے"!

بہر حال، تلوار کی اسی دھار پر چلتے ہوئے زبیری نے کلام اقبال کے بعض حصوں کو عربی نظم کا

لباس پہنایا جو صاوی شعلان ہی کے انداز میں ترجمہ نہیں بلکہ ترجمانی ہے۔ ایک مختصر مثال ؎

جوانوں کو مری آہ سحر دے
پھر ان شاہیں بچوں کو بال و پر دے
خدایا آرزو میری یہی ہے
مرا نور بصیرت عام کر دے (۴۸)

عربی ترجمہ :

رب هب للشباب آهاتي الحري ـ وهب للصقور ريشاً جديدا
بغيتي ان تمد في الارض من شعلة قلبي نوراً عميقاً سديدا (۴۹)

کلام اقبال کے نثری تراجم کے ضمن میں جو نام نمایاں ہیں‘ ان میں سے ایک سمیر عبدالحمید ابراہیم کا نام ہے۔ سمیر صاحب بنیادی طور پر قاہرہ یونیورسٹی کے شعبہ السنہ شرقیہ کے استاد ہیں۔ اقبالیاتی تحقیق کے سلسلے میں کچھ عرصہ لاہور میں بھی مقیم رہے اور اب غالباً ریاض (سعودی عرب) میں ہیں۔ ان کے قیام لاہور کے دوران ان کی دو کتابیں سامنے آئیں جنھیں مولانا عبیدالحق ندوی نے مکتبہ علمیہ لیک روڈ لاہور سے شائع کیا۔ پہلی کتاب ”اقبال و دیوان ارمغان حجاز“ فروری ۱۹۷۶ء میں طبع ہوئی۔ اس میں اقبال کے عہد‘ ان کی شخصیت‘ افکار اور شعری تصانیف پر مفصل بحث کی گئی ہے۔ پھر ”ارمغان حجاز“ پر توجہ مرکوز کرتے ہوئے‘ پہلے اس کے مندرجات کا تعارف اور تجزیاتی مطالعہ پیش کیا گیا ہے‘ اور پھر پوری کتاب کا عربی ترجمہ۔ ترجمہ سیدھی سادی نثر میں ہے :

؎ سحر با ناقہ گفتم نرم تر رو
کہ راکب خستہ و بیمار و پیر است
قدم مستانہ زد چنداں کہ گوئی
بپایش ریگ ایں صحرا حریر است (۵۰)

عربی ترجمہ :

”قلت للناقة وقت السحر : تهدى في سيرك
فالراكب مجروح و مريض و عجوز

مضارت تخطو کا لسکران حتی ازکب تفن
ان رمال الصحراء اضحت تحت قدمیها حریرا " (۵۱)

سمیر عبدالحمید کی دوسری کتاب "دیوان الاسرار والرموز" جولائی ۱۹۷۸ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب میں مثنوی "اسرار خودی" و "رموز بیخودی" پر عمومی بحث کی گئی ہے اور پہلے ایڈیشن پر مختلف طبقات کے ردعمل، پہلے اور دوسرے ایڈیشن میں فرق، دونوں مثنویوں کا باہمی ربط اور اسلامی ادب میں ان کے پس منظر وغیرہ کی وضاحت کی گئی ہے۔ ڈاکٹر عزام کے منظوم ترجمے کا جائزہ لیا گیا ہے اور ڈیڑھ سو کے قریب ایسے اشعار کا نثری ترجمہ اور تشریح پیش کی گئی ہے جنھیں عزام نے نظرانداز کر دیا تھا۔ ڈاکٹر عزام کا منظوم ترجمہ بھی بطور ضمیمہ شامل کتاب ہے۔

سمیر صاحب کے قلم سے "الطریق الی الوحدۃ الامۃ الاسلامیہ" کے عنوان سے ۱۴۰۱ھ میں ایک اور کتاب قاہرہ سے شائع ہوئی جس میں مولانا مودودی اور علامہ اقبال کے افکار کا موازنہ کیا گیا ہے۔

عرب دنیا کے ذخیرہ اقبالیات میں شاید سب سے زیادہ سنجیدہ علمی کام عین شمس یونیورسٹی کے استاد ڈاکٹر محمد السعید جمال الدین کا ہے جنہوں نے "رسالۃ الخلود" کے عنوان سے جاوید نامہ کا ترجمہ اور تشریح ساڑھے تین سو صفحات کی ضخیم جلد میں پیش کی۔ یہ کتاب ۱۹۷۴ء میں منظرعام پر آئی۔ اس کی بنیاد ڈاکٹر صاحب موصوف کے اس مقالے پر تھی جو انھوں نے فارسی ادب پر پی۔ ایچ۔ ڈی کے لیے "جاوید نامہ" کے موضوع پر پیش کیا۔ "جاوید نامہ" کی اہمیت کے پیش نظر ڈاکٹر عزام نے بھی اس کے ترجمے کا ارادہ کیا تھا اور آغاز بھی لیکن پھر "پیام مشرق" کے منظوم ترجمے کی مصروفیت میں یہ کام مکمل نہ ہو سکا (۵۲)۔ ڈاکٹر محمد السعید جمال الدین کے اس محققانہ کام نے بدرجہ احسن اس خلا کو پر کر دیا۔ انھوں نے نہ صرف "جاوید نامہ" کے ۱۹۵۹ء اشعار کا ترجمہ و ترجمانی موثر عربی نثر میں کی بلکہ اقبال کے اس شہکار کے فکری پس منظر اور مختلف طواسین کے متعلق تمہیدی اشارات اور فلسفیانہ رموز کے تجزیاتی مطالعے کی وساطت سے فکر اقبال کو مجموعی اعتبار سے اس سے کہیں وسیع ترکینوس پر پیش کیا جس پر وہ اس وقت تک دنیائے عرب میں پیش کی جا سکی تھی۔

ڈاکٹر محمد السعید جمال الدین نے حسن محمود الشافعی کے اشتراک سے "تطور الفکر الفلسفی فی ایران" کے عنوان سے The Development of Metaphysics in persia کا عربی ترجمہ بھی

مکمل کیا جو قاہرہ سے ۱۹۸۹ء میں شائع ہو گیا ہے۔ یاد رہے کہ اسی کتاب کا ایک عربی ترجمہ ۱۹۸۷ء میں "ماوراء الطبیعہ فی ایران" کے عنوان سے ڈاکٹر حسین مجیب المصری کے قلم سے بھی شائع ہو چکا تھا لیکن وہ علامہ کی اصل انگریزی تصنیف دستیاب نہ ہونے کے باعث اس کے ایک فرانسیسی ترجمے سے عربی میں منتقل کیا گیا تھا۔ اس بناء پر ڈاکٹر محمد السعید جمال الدین اور حسن محمود الشافعی نے براہ راست انگریزی سے ترجمے کی ضرورت محسوس کی۔

ڈاکٹر حسین مجیب المصری بھی معاصر عرب اقبال شناسوں میں نمایاں حیثیت کے حامل ہیں۔ ۱۹۷۳ء میں ان کے قلم سے "جاوید نامہ" کا منظوم ترجمہ "فی السماء"، ۱۹۷۵ء میں "ارمغان حجاز" کے صرف فارسی قطعات کے منظوم عربی ترجمے پر مشتمل "ہدیۃ الحجاز" ۱۹۷۶ء میں "اقبال والعالم العربی" (بیک وقت عربی اور انگریزی، دونوں میں) ۱۹۷۷ء میں "گلشن راز جدید" کا منظوم ترجمہ "روضۃ الاسرار" ۱۹۷۸ء میں اقبال والقرآن" اور ۱۹۸۱ء میں "اقبال بین المصلحین الاسلامیین" شائع ہوئی۔ آخر الذکر کتاب میں ڈاکٹر حسین مجیب نے مصر، ترکی، ایران، اور پاک و ہند میں اہم اصلاحی تحریکوں کا جائزہ لیتے ہوئے جمال الدین افغانی، محمد عبدہ، رشید رضا، محمد عاکف، نور الدین طوبچو، ساحہ آی ویردی، محمد تقی طباطبائی، امیر کبیر، ابوالکلام آزاد اور ابوالاعلیٰ مودودی کے مقابل میں اقبال کی حیثیت بطور مصلح متعین کرنے کی کوشش کی ہے۔ یاد رہے کہ اسی نوعیت کی ایک کتاب "رواد الوعی الانسانی فی الشرق الاسلامی" (شرق اسلامی میں شعور انسانی کے نقیب) وزارت الثقافۃ والارشاد القومی کے زیر اہتمام قاہرہ سے ۱۹۶۱ء میں شائع ہوئی تھی جس کے مصنف ڈاکٹر عثمان امین تھے۔ اس کتاب میں جمال الدین افغانی، محمد عبدہ، عبدالرحمٰن الکواکبی اور علامہ اقبال کی فکری حیثیت سے بحث کی گئی تھی۔ ڈاکٹر عثمان امین، اقبال کے نظریہ خودی سے بہت متاثر تھے۔ ۱۹۵۶ء میں "رسالۃ محمد اقبال" (محمد اقبال کا پیغام) کے عنوان سے ان کا ایک مضمون بھی بہت پسند کیا گیا تھا۔

طویل کلام کے باعث اختصار لازم ہوتا جا رہا ہے اور مصر کے شاعر، ناول و افسانہ نویس اور تمثیل نگار نجیب الکیلانی کی قابل ذکر کتاب "اقبال۔ الشاعر الثائر" کا ذکر رہا جاتا ہے جو پہلی بار ۱۹۵۹ء میں شائع ہوئی اور بضامت کمتر بقیمت بہتر کے مصداق اختصار کے باوجود اقبال کی شخصیت اور افکار کا ایک بھرپور تعارف پیش کرتی ہے۔ کتاب کا اسلوب بہت موثر ہے اور اسے (اشاعت سے قبل) ۱۹۵۷ء کے تحریری مقابلہ بسلسلہ سوانح میں مصری وزارت تعلیم کی جانب سے انعام کا حقدار قرار دیا گیا۔

آپ نے دیکھا کہ دنیائے عرب کے ثقافتی مرکز مصر میں اقبالیات کا کام سب سے زیادہ ہوا ہے۔ مضمون کی طوالت اجازت نہیں دیتی کہ ہم عباس محمود کی "تجدید التفکیرالاسلامی" (قاہرہ ۱۹۵۵ء ترجمہ از انگریزی خطبات بسلسلہ تشکیل جدید)، ڈاکٹر احمد معوض کی "العلامہ محمد اقبال ـــ حیاۃ و آثارہ" (مصر ۱۹۸۰ء) ڈاکٹر احمد ماہر البقری کی "الفکر الاسلامی فی ادب اقبال" (اسکندریہ ۱۹۸۸ء) وغیرہ اور بہت سی کتب کا تذکرہ کریں۔ مصر کے اخبارات و رسائل میں شائع ہونے والے نیز اقبالی تقریبات میں پڑھے جانے والے مضامین کا احاطہ بھی ممکن نہیں۔ ان کے کئی وقیع مجموعے شائع ہو چکے ہیں (۵۳) اور ہو رہے ہیں۔ اس نوع کے مضامین کا ایک اچھا انتخاب ڈاکٹر ظہور احمد صاحب اظہر کی تالیف "اقبال العرب علی دراسات اقبال" (۵۴) میں دیکھا جا سکتا ہے۔ عرب شعراء نے علامہ کو جو منظوم خراج عقیدت پیش کیا ہے، اسے بھی زیر بحث لانا اس وقت ممکن نہیں (۵۵)۔

اقبالیات کا چرچا اگرچہ مصر میں سب سے زیادہ ہے تاہم دیگر بلاد عرب میں بھی روز افزوں ہے۔ مصر کے بعد شاید اس سلسلے میں دمشق (شام) کا نمبر ہے اور اس کا سبب غالباً ڈاکٹر احسان حقی کی وہاں موجودگی ہے جنھیں علامہ سے ذاتی روابط کا شرف حاصل ہے اور جن کے دل میں پاکستان کے لیے غیر معمولی محبت پائی جاتی ہے (۵۶)۔ ان کے علاوہ جناب توحید احمد جیسے فعال اور محب وطن پاکستانی کی سفارت خانہ پاکستان ـــ دمشق سے وابستگی بھی وہاں اقبالیات کے فروغ کا ایک سبب ہے۔ دمشق کے اقبالیوں میں جناب عبدالمعین الملوحی کا نام زیادہ نمایاں ہے۔ انھوں نے نہ صرف اقبالی سرگرمیوں میں بھرپور حصہ لیا اور تعارف اقبال کے سلسلے میں بعض مضامین سپرد قلم کیے بلکہ "بال جبریل" کا عربی میں ترجمہ بھی کیا۔ تاہم یہ اردو سے براہ راست ترجمہ نہیں تھا۔ چنانچہ ۱۹۸۹ء میں دارالاقبال دمشق سے "دیوان جناح جبریل" کے عنوان سے زہیر ظاظا کا منظوم عربی ترجمہ بھی شائع ہوا۔ اس سے قبل ۱۹۸۵ء میں ڈاکٹر علی حسن کی کتاب "فلسفۂ اقبال" بھی دارالسوال دمشق ہی سے شائع ہو چکی تھی۔

محمود احمد غازی اور صاوی شعلان کا مشترکہ ترجمہ "پس چہ باید کرد" جس کا اوپر تفصیل سے ذکر ہوا، بھی ۱۹۸۸ء میں دارالفکر دمشق ہی سے شائع ہوا ہے۔ دارالفکر دمشق نے ۱۹۶۴ء میں بھی اقبالیات کے سلسلے میں "ذکری محمد اقبال" شائع کی تھی جس میں بعض مقالات اور کلام اقبال کا ایک انتخاب شامل تھا۔ مولانا ابوالحسن علی الندوی کی "روائع اقبال" جس پر تفصیلاً بات ہو چکی ہے، بھی پہلی بار ۱۹۶۰ء میں دمشق ہی سے شائع ہوئی تھی۔

عراق میں اقبالیات کے ضمن میں محترمہ امیرہ نورالدین داؤد کا نام سب سے پہلے ذہن میں آتا ہے جن کا شمار کلام اقبال کے عرب مترجمین میں ہوتا ہے۔ ان کی کتاب "درر" من شعر اقبال۔ شاعر الاسلام و فیلسوفہ "بغداد سے ۱۹۵۱ء میں چھپی تھی۔ ڈاکٹر حمید مجید ہدو کی کتاب" اقبال ـــ الشاعر و الفیلسوف والانسان " ۱۹۶۳ء میں نجف سے شائع ہوئی۔

یمن کے حوالے سے محمد محمود زبیری کا ذکر ہو چکا ہے۔ سعودی عرب میں اقبالیاتی سرگرمیوں کی نمائندگی ۱۹۸۸ء میں دار حراء 'مکہ المکرمہ سے شائع ہونے والی کتاب "محمد اقبال و موقفہ من الحضارۃ العربیہ" کرتی ہے جس کے مصنف خلیل الرحمٰن عبدالرحمٰن ہیں۔

مختلف عرب ممالک میں پاکستانی سفارت خانوں کی بعض اشاعتیں بسلسلہ اقبالیات بھی خاصی وقیع ہیں۔ ان میں نومبر ۱۹۸۵ء میں دمشق کی اقبال کانفرنس میں پیش کی جانے والی نظم و نثر کا مجموعہ "نداء اقبال" خاص طور پر قابل ذکر ہے جسے ۱۹۸۶ء میں دار لفکر دمشق نے شائع کیا۔ یہ کانفرنس پاکستانی سفارت خانہ دمشق اور شامی وزارت ثقافت کے باہمی تعاون سے منعقد ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ مندرجہ ذیل چند اشاعتیں بھی لائق ذکر ہیں :

سفارت خانہ پاکستان قاہرہ

- الباقوری ' سید احمد حسن و سید سجاد حیدر "محمد اقبال فیلسوف الاسلام و شاعر پاکستان" ۱۹۶۷ء
- حدیث الروح ' ۱۹۷۰ء
- محمد اقبال (طٰہٰ حسین ' عباس محمود العقاد ' فتحی رضوان وغیرہ کے مضامین کا مجموعہ) س ن

سفارت خانہ پاکستان دمشق

- شاعر پاکستان و الفیلسوف الکبیر محمد اقبال ' ۱۹۸۵ء
- اقبال الشاعر الفیلسوف ' البذرہ التی ازہرت باکستان ' ۱۹۸۵ء
- افکار اقبال (چار لیکچر) ۱۹۸۷ء

سفارت خانہ پاکستان "ریاض" جدہ

- عبدالرحمن خلیل الرحمن "اقبال و قضایا معاصرۃ" ۱۹۸۵ء
- الآفاق، ۱۹۸۶ء
- اقبال والامتہ الاسلامیہ، ۱۹۸۶ء
- الفقلی، عبدالہادی، المسئو یتہ الخلقتہ فی فکر الدکتور محمد اقبال، ۱۹۸۶ء
- الطرازی، عبداللہ مبشر، المفکر الاسلامی الکبیر العلامہ الدکتور محمد اقبال، ۱۹۸۷ء

یہاں اقبال اکادمی پاکستان، لاہور کی ان عربی مطبوعات کی طرف اشارہ بھی نامناسب نہ ہو گا جنھیں مصری مطبوعات سے عکسی طور پر شائع کر کے اکادمی نے وقت کی ایک اہم ضرورت کو پورا کیا ہے، مثلاً ڈاکٹر عبدالوہاب عزام کی کتاب "محمد اقبال سیرتہ و فلسفتہ و شعرہ" نیز انہی کا ترجمہ "پیام مشرق "جامعہ پنجاب لاہور کے شعبہ اقبالیات کی طرف سے ۱۹۸۲ء میں شائع ہونے والا مجموعہ "ابحاث ذکری اقبال المئویۃ" بھی قابل ذکر ہے جس میں دسمبر ۱۹۷۷ء کے جشن صد سالہ ولادت علامہ محمد اقبال کے سلسلے کی بین الاقوامی اقبال کانفرنس لاہور میں پڑھی جانے والی عربی تحریروں کو معروف ماہر اقبالیات پروفیسر محمد منور صاحب کے زیر اہتمام یکجا کر کے شائع کر دیا گیا ہے۔

برصغیر کے حوالے سے ڈاکٹر صلاح الدین محمد شمس الدین الندوی کی ضخیم عربی تصنیف (۴۴۰ صفحات) "الاتجاہ الاسلامی فی شعر محمد اقبال" کا ذکر بھی ضروری معلوم ہوتا ہے جس کی اشاعت ۱۹۹۱ء میں الدار السلفیہ، بمبئی، (بھارت) سے ہوئی ہے۔

عربی زبان کے ذخیرہ اقبالیات میں اضافہ مسلسل جاری ہے۔ میں آخر میں نُعمی قطب الدین نجار کے تحقیقی مقالے "محمد اقبال و صلتہ الثقافیتہ بالعالم العربی، تاثرہ و تاثیرہ" کا بھی ذکر کرنا چاہوں گا جو پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری کے حصول کے لیے جامعہ اسلامیہ بہاولپور کے شعبہ عربی میں پیش کیا گیا اور ہنوز زیر امتحان ہے۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین!

حواشی

۱۔ دیکھیے:

ابن قتیبہ، عبداللہ بن مسلم، الدینوری، عیون الاخبار، دارالکتب المصریہ، قاہرہ ۱۳۴۳ھ ر ۱۹۲۵ء، ۲۷۴/۱

عبدالقادر البغدادی، خزانۃ الادب، دارالثقافۃ، بیروت، س ن، ۴۹۸/۳

ڈاکٹر ریحانہ خاتون (دانش گاہ دہلی) نے اپنے فکر انگیز مضمون ""دیوان حافظ میں مذکورہ ایک باستانی رسم"" (مطبوعہ کاوش، مجلہ تحقیقی و ادبی، شعبہ زبان و ادبیات فارسی، گورنمنٹ کالج لاہور، شمارہ ۲ سال ۱۹۹۲ء ص ۴۲-۳۴) میں اس طرف توجہ مبذول کرائی ہے کہ زمین پر شراب چھلکانے کا یہ تصور جو عربی سے فارسی تک پہنچا، Libation کی قدیم رسم سے مربوط ہو سکتا ہے۔

عین ممکن ہے کہ ڈاکٹر صاحبہ کا یہ خیال درست ہو اور خود جذیمہ کا یہ دستور اسی رسم کے تحت آتا ہو۔ تاہم Libation کی حیثیت بنیادی طور پر مذہبی رہی ہے جس سے مقصود دیوتاؤں کو خوش کرنا تھا جبکہ جذیمہ کے ہاں اس کی بنیاد ذاتی عظمت و تفاخر کے احساس پر بتائی گئی ہے اور زیر بحث ادبی روایت اسی کے تسلسل سے آگے بڑھتی ہے جس میں شراب چھلکانے والے کی مربیانہ عظمت اور جس چیز پر چھلکائی جاتی ہے، اسے اعزاز بخشنے کا تصور نمایاں ہے۔ ممکن ہے تحقیق سے یہ بھی ثابت ہو جائے کہ جذیمہ کے اس عمل کا محرک Libation ہی تھی اور ""فرقدین"" کو دیوتاؤں کی حیثیت حاصل تھی۔ تاہم ایسی صورت میں بھی ادبی روایت بدستور اسی تصور سے منسلک رہے گی جو مشہور عام ہے کیونکہ مسلمات ادبی کا تعلق امر واقع سے بڑھ کر تصور معروف سے ہوتا ہے۔

۲۔ جیسا کہ ڈاکٹر ریحانہ خاتون نے مضمون مذکور میں نہایت قابلیت سے واضح فرمایا ہے، یہ شعر معمولی اختلاف روایت کے ساتھ کئی مآخذ میں نقل ہوتا چلا آیا ہے لیکن شاعر کا نام معلوم نہیں۔ قدیم ترین ماخذ جس کی انہوں نے نشان دہی فرمائی ہے، امام غزالی کی احیاء العلوم ہے جس میں دو شعر کا یہ قطعہ نقل ہوا ہے۔

شربنا شرابا طیبا عند طیب

کذاک شراب الطیبین یطیب

شربنا و اہرقنا علی الارض فضلہ

و للارض من کاس الکرام نصیب

۳۔ دیگر فارسی شعراء کے ہاں بھی اس مضمون کے اشعار ملتے ہیں۔ دیکھیے: کاوش، مضمون مذکور، نیز لغت نامہ دہخدا، بذیل ""جرعہ""۔

۴۔ غزلہای حافظ، سازمان کتابہای جیبی، تہران، ۱۳۴۱، ص ۲۵۱

۵۔ کلیات غالب (فارسی) مطبع نو لکشور، لکھنؤ، بار دوم، ۱۳۱۰ھ ر ۱۸۹۳ء ص ۲۳۱

۶۔ کلیات اقبال (اردو) شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، فروری ۱۹۷۳ء ص ۳۲۴

۷۔ ایضاً، ص ۳۸۶ ۔ یہاں "گل" بالضم درج ہے ۔ درست "گل" بالکسر ہے جس کا تعلق مٹی پر شراب چھلکانے کی زیر بحث روایت سے ہے۔

۸۔ کلیات اقبال (فارسی) شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، مئی ۱۹۸۵ء ص ۳۸

۹۔ کلیات اقبال (اردو)، ص ۵۸۹

۱۰۔ ایضاً، ص ۱۷۰

۱۱۔ ایضاً، ص ۲۷۹

۱۲۔ دیکھیے ابوالحسن علی الحسنی الندوی، روائع اقبال مجلس نشریات اسلام آباد، کراچی، ۱۴۰۳ھ ر ۱۹۸۳ء ص ۲۳۱

۱۳۔ دیوان الحماسہ، (مع شرح عربی از مولانا محمد اعزاز علی امروہوی) المکتبۃ السلفیہ، لاہور، س ن، ص ۱۳

۱۴۔ حسین احمد پراچہ صاحب نے اس گفتگو کو "اقبال پر عربی ادب کے اثرات" کے عنوان سے ایک مضمون کی صورت دے کر انہی دنوں کالج کی ایک تقریب بسلسلہ "یوم اقبال" میں پڑھا۔ پھر یہ مضمون کالج کے مجلہ "خیابان" ـــ (اب "نوید صبح") کے شمارہ جون ۱۹۷۶ء میں شائع ہوا ۔ نومبر ۱۹۷۷ء میں اسی مجلے کے "اقبال نمبر (۲)" بسلسلہ صد سالہ جشن ولادت علامہ اقبال، میں اس کی اشاعت مکرر ہوئی ۔ کافی عرصہ بعد بزم اقبال، لاہور نے اس مجلے کا ایک انتخاب شائع کیا۔ یہ مضمون اس میں بھی شامل ہے (دیکھیے: زاہد منیر عامر (مرتب) "اقبال شناسی اور نوید صبح" (نظر ثانی: ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی) بزم اقبال، لاہور، جنوری ۱۹۹۰ء، ص ۱۷۵۔ ۱۸۴)۔ اسی موضوع پر مزید مطالعے کے لیے دیکھیے:

محمد ابراہیم ذار، مضامین ذار، ذار پبلیکیشن کمیٹی بمبئی، س ن، ص ۲۴۹۔۲۶۶، "اقبال اور عربی شعراء"

پروفیسر محمد منور، "میزان اقبال" یونیورسٹی بک ایجنسی، لاہور، ۱۹۷۳ء ص ۴۳۔ ۴۴ "کلام اقبال پر عربی ادب کے اثرات"۔

محمد ابوذر خلیل، اثرالادب العربیہ فی شعر اقبال الشاعر، مقالہ برائے ایم ۔ اے ۱۹۹۱ء شعبہ عربی بہاء الدین ذکریا یونیورسٹی، ملتان۔

۱۵۔ دیوان الحماسہ، ص ۲۲

۱۶۔ دیکھیے : ابن منظور، لسان العرب، بذیل " " :

"والنجم الثریا، وھو اسم لہا علم مثل زید و عمرو و ان اخرجت منہ الالف واللام تنکر ....

النجم فی الاصل : اسم لکل واحد من کواکب السماء وھو بالثریا اخص، فاذا اطلق فانما یراد بہ ھی ...."

۱۷۔ کلیات اقبال (اردو)، ص ۲۲

۱۸۔ قرآن مجید، (۲/۱۷۷، ۲۱۵)، (۴/۳۶)، (۸/۴۱)، (۹/۶۰)، (۱۷/۲۶)، (۳۰/۳۸)، (۵۹/۷)

۱۹۔ ایضاً، (۳/۷)، (۱۳/۳۹)، (۴۳/۴)

۲۰۔ ایضاً، (۶/۹۲)، (۴۲/۷)

۲۱۔ دیوان عمر بن ابی ربیعہ، (مع شرح محمد العنانی) مطبعۃ السعادۃ، مصر ۱۳۳۰ھ، ص ۱۸۴

۲۲۔ کلیات اقبال (اردو)، ص ۴۳۰

۲۳۔ قرآن مجید، ۸۳/ ۲۵۔۲۶

۲۴۔ کلیات اقبال (اردو)، ص ۳۸۹

۲۵۔ ایضاً، ص ۱۹۸

۲۶۔ کلیات اقبال (فارسی)، ص ۱۶۹۔۱۷۰

۲۷۔ دیکھیے: الدراسات الاسلامیہ (عربی مجلہ ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد) جلد ۱۲، شمارہ ۳، ۴، ۵ اقبال نمبر ۱۳۹۷ھ/ ۱۹۷۷ء، ص ۱۳۱۔۱۳۲۔ (راقم کے قلم سے اس مضمون کے اردو ترجمے کے لیے دیکھیے: صحیفہ 'اقبال نمبر (حصہ دوم)' نومبر دسمبر ۱۹۷۷ء جنوری، فروری ۱۹۷۸ء مجلس ترقی ادب، لاہور، ص ۸۱۔۹۰ نیز ڈاکٹر سلیم اختر (مرتب)، اقبال، ممدوح عالم، بزم اقبال، لاہور، نومبر ۱۹۷۸ء ص ۳۹۱۔۴۰۵)

۲۸۔ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، اقبالیاتی جائزے، گلوب پبلشرز، لاہور، ۱۹۹۰ء ص ۱۳۳

۲۹۔ عبدالوہاب عزام، رسالہ المشرق (منظوم عربی ترجمہ پیام مشرق)، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، اشاعت دوم، ۱۹۸۱ء، مقدمہ المترجم، ص ۳۔۴

۳۰۔ یہ اجلاس ۴ دسمبر ۱۹۳۱ء کو شام سات بجے شبان المسلمین کے دفتر میں ہوا۔ علامہ نے انگریزی میں تقریر کی۔ دیکھیے: محمد حمزہ فاروقی، سفرنامہ اقبال، مکتبہ معیار، کراچی، ۱۹۷۳ء ص ۱۳۹۔۱۵۰

۳۱۔ کلیات اقبال (فارسی)، ص ۳۱۴۔۳۱۵

۳۲۔ مصری ایڈیشن کا عکس اقبال اکادمی پاکستان، لاہور سے شائع ہو چکا ہے (۱۹۵۴، ۱۹۶۰، ۱۹۸۵ء)

۳۳۔ مولانا ابوالحسن علی الندوی، روائع اقبال، ص ۱۴

۳۴۔ عزام، رسالہ المشرق، مقدمہ المترجم، ص ۶۔۷

۳۵۔ کلیات اقبال (فارسی) ص ۵

۳۶۔ ڈاکٹر عبدالوہاب عزام، دیوان الاسرار والرموز، دارالمعارف، مصر، ۱۹۵۵، ص ۵

۳۷۔ موازنہ کیجیے: کلیات اقبال (فارسی)، ص ۲۸۴، عزام، رسالہ المشرق، ص ۵۱ ""بین اللہ والانسان"

۳۸۔ مولانا ندوی، روائع اقبال، ص ۱۵

۳۹۔ کلیات اقبال (اردو) ص ۱۹۹

۴۰۔ محمد حسن الاعظمی / الصاوی علی شعلان، فلسفہ اقبال والثقافۃ الاسلامیہ فی الہند والپاکستان، مصر ۱۳۶۹ھ/ ۱۹۵۰ء، ص ۱۰۱۔ اصل میں "حدیث الروح" کے بجائے "کلام الروح" تھا۔ معلوم نہیں خود شاعر نے یہ ترمیم کی یا ام کلثوم کے اسی طرح گا دینے کی وجہ سے "حدیث الروح" مشہور ہو گیا۔

۴۱۔ کلیات اقبال (اردو)، ص ۱۵۹

۴۲۔ الاعظمی / شعلان، فلسفہ اقبال، ص ۱۲۲

۴۳۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی، حال ڈائرکٹر جنرل دعوہ اکیڈیمی، اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

۴۴۔ محمود احمد غازی رصاوی شعلان، والآن ماذا نصنع یا امم الشرق (عربی ترجمہ مثنوی پس چہ باید کرد) دارا لفکر، دمشق ۱۴۰۸ھ ر ۱۹۸۸ء قصتہ الکتاب، ص ۱۲۔ ۱۳

۴۵۔ دیکھیے حوالہ سابقہ۔ بیرونی سرورق پر صرف "یا امم الشرق" اور اندرونی سرورق پر "دیوان" والان.. ماذا نصنع ؟ یا امم الشرق" درج ہے۔

۴۶۔ عمر بہاء الدین الامیری، اقبال والزبیری، سفارۃ جمہوریہ پاکستان الاسلامیہ، الریاض ۔ جدہ، ۱۴۰۸ھ ص ۱۲

۴۷۔ محمود احمد غازی رصاوی شعلان، ... یا امم الشرق، ص ۱۷

۴۸۔ کلیات اقبال (اردو)، ص ۳۷۸

۴۹۔ الامیری، اقبال والزبیری، ص ۲۳ (زبیری کی کچھ نگارشات "فی جو اقبال، شاعر الاسلام" کے عنوان سے بھی شائع ہوئیں۔ دیکھیے : فہمی قطب الدین نجار، محمد اقبال وصلتہ الثقافیۃ بالعالم العربی، تاثرہ و تاثیرہ، مقالہ برائے پی۔ ایچ۔ ڈی، شعبہ عربی جامعہ اسلامیہ بہاولپور، برائے سال تدریسی ۱۹۸۸ء حاشیہ ۵۳، ص ۱۹۷

۵۰۔ کلیات اقبال (فارسی)، ص ۹۰۷

۵۱۔ سمیر عبدالحمید ابراہیم، اقبال و دیوان ارمغان حجاز، المکتبۃ العلمیہ، لیک روڈ، لاہور، ۱۳۹۶ھ ر ۱۹۷۶ء ص ۱۸۶

۵۲۔ دیکھیے بحوالہ، رسالۃ المشرق، مقدمہ المترجم، ص ۷۔ ۸

۵۳۔ بعض ایسے مجموعوں کی فہرست کے لیے دیکھیے : فہمی نجار، محمد اقبال وصلتہ الثقافیۃ ...، ص ۱۹۵۔ ۱۹۷

۵۴۔ ڈاکٹر ظہور احمد اظہر، اقبال العرب علی دراسات اقبال، المکتبۃ العلمیہ، لاہور، ۱۳۹۷ھ ر ۱۹۷۷ء

۵۵۔ چند نمونوں کے لیے دیکھیے : ڈاکٹر ظہور احمد اظہر، اقبال عرب شعراء کی نظر میں، المکتبۃ العلمیہ، لاہور، ۱۹۷۷ء

۵۶۔ ڈاکٹر احسان حقی صاحب کی کتاب "پاکستان ماضیہا و حاضرہا" ۱۳۹۳ھ ر ۱۹۷۳ء میں بیروت سے شائع ہو چکی ہے۔

AL-TAWḤĪD

A Quarterly Journal of Islamic Thought and Culture

A quarterly journal published by Sāzmān-e Tablīghāt-e Islāmī, Tehran, Islamic Republic of Iran. Contains articles on Qur'ānic studies, ḥadīth (tradition), Islamic philosophy and 'irfān (mysticism), fiqh and uṣūl (law and jurisprudence), Islamic history, economics, sociology, political science, comparative religion, etc., and reviews on books on related topics. The Journal was launched in 1983.

Scholars from all over the world are invited to contribute to the journal.

All contributions and editorial correspondence should be sent to:

The Editor, Al-Tawḥīd (English), P.O.Box 14155-6449, Tehran, Islamic Republic of Iran.

Distributed by:
Orient Distribution Services
P.O.Box 471, Harrow Middlesex HA2 7NB, England

Subscription Rates (inclusive of postage):

	Per copy	Annual Subscription
Institutions & Libraries	£ 5.00	£ 20.00
Individuals	£ 3.75	£ 15.00
Back copies	£ 4.00	
India & Pakistan	Rs. 25	Rs. 100

کتابوں پر تبصرے